

قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

(متفرقات)

المحاسبة
بالقرآن
(سورة الفاتحه)

فرقان الدين احمد

Ketabton.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاِزْهِنَا اِتِّبَاعَهُ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَاِزْهِنَا اِجْتِنَابَهُ

المحاسبة بالقرآن

(سورة الفاتحة)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ”اپنے نفسوں کا محاسبہ خود کر لو قبل اس کے تمہارا محاسبہ کیا جائے، اور اس کے وزن سے قبل خود ہی وزن کر لو۔“

اور اس محاسبہ؛ یعنی اپنے نفس کے مواخذہ کے لیے قرآن حکیم سے بہتر کون سا میزان ہو سکتا ہے؛ جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَيْدٌ (قرآن تیرے لئے حجت ہو گا یا تیرے خلاف ہو گا)۔“ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ نہ صرف کل انسانیت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے بلکہ اپنے ماننے والوں کو وہ میزان بھی مہیا کرتا ہے جس کی روشنی میں ہر مسلمان اگر چاہے تو مرنے سے پہلے ہی اپنے بارے میں ”تَقُلْتُ مَوَازِيْنُهُ“ یا ”حَقَّقْتُ مَوَازِيْنُهُ“ کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے۔

قرآن حکیم اپنی کل وسعت میں دو ہی گروہ انسانی کے افکار و عقائد؛ اقوال اور اعمال کا تفصیلی ذکر کرتا ہے؛

- ”احسن تقویٰ“ یعنی وہ خوش بخت جو فکری؛ قولی اور عملی طور پر انبیاء کے مثل ہیں۔
- اور ”اسفل السافلین“ یعنی وہ بد بخت جو فکری؛ قولی اور عملی طور پر شیطان کے مثل ہیں۔

باقی تمام انسانیت ان ہی دو انتہاؤں کے بیچ میں ہے اور اس دنیا میں ان کی انہیں دونوں انتہاؤں میں سے کسی ایک کے ساتھ مشابہت ہی آخرت میں ان کے مقام کا فیصلہ کرے گی۔ اس دنیا میں اس مشابہت کے آن گنت درجات اور مجموعات ممکن ہیں؛ یعنی کہ یہ نہ صرف فکر میں ہم آہنگی ہو سکتی ہے؛ بلکہ فکر اور قول میں؛ یا فکر، قول اور عمل تینوں میں بھی ہو سکتی ہے۔ اور آخرت میں ثواب و عذاب کا فیصلہ بھی اس مشابہت کی مقدار اور اس کے کمال پر منحصر ہے۔

ان میں سے اہم ترین فکری مشابہت ہے کیونکہ اسی مشابہت پر انسان کے ابدی خوش بخت یا بد بخت ہونے کا دار و مدار ہے۔ ایک ”احسن تقویٰ“ سے فکری مشابہت رکھنے والے خوش بخت مسلمان کا اس دنیا میں ”اسفل السافلین“ سے قولی؛ عملی؛ یا قولی اور عملی مشابہت؛ آخرت میں اس کے ”اسفل السافلین“ کے

ساتھ عذاب کی شدت اور مدت میں مشابہت کا باعث تو ضرور ہو گا؛ مگر فرق صرف دوام کا ہو گا یعنی وہ اس مشابہت کی سزا بھگتنے کے بعد اپنی فکر کے باعث خوش بختوں میں شامل ہو سکتا ہے۔

مثلاً قرآن اپنے ہی متعلق رسول اللہ ﷺ کے ایک شکوہ کو بیان کرتا ہے کہ

✓ وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا [سورة الفرقان: ۲۰]

رسول کہے گا اے میرے رب بے شک میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا۔

اب یہ نظر اندازی فکری بھی ہو سکتی ہے؛ قولی بھی؛ عملی بھی یا اس کا اطلاق انہیں تین پر مشتمل کسی قسم کے مجموع پر بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ فکری نظر اندازی قرآن کے کلی انکار پر مبنی ہے تو یہ صریحاً کفر ہے اور عذاب کے دوام کی متقاضی ہے؛ بصورت دیگر اگر یہ فکری نظر اندازی جزوی قرآن کی ہے؛ تو عذاب دائمی بھی ہو سکتا ہے اور وقتی بھی؛ جبکہ قولی نظر اندازی کا اطلاق اس کی تلاوت پر ہے جو وقتی عذاب کا متقاضی ہے اور اسی طرح عملی نظر اندازی کا اطلاق اس کے علم کے حصول؛ اس پر عمل اور تبلیغ کی کوتاہی پر مبنی ہے جو بھی وقتی عذاب کا متقاضی ہے۔ یہ تینوں نظر اندازیاں "اسفل السافلین" کے قبیل سے تعلق رکھنے کے باعث اخروی عذاب کی متقاضی ہیں مگر اس اخروی عذاب کی شدت اور مدت کا دار و مدار اس دنیا میں "اسفل السافلین" کے ساتھ اس نظر اندازی کے امر میں فکری؛ قولی یا عملی مشابہت کی مقدار اور شدت یا کمال پر ہے۔

مندرجہ بالا حکمت عملی کا اطلاق اگر ہم قرآن کی ہر آیت کے مطالعہ پر کریں تو با آسانی "احسن تقویم" والے گروہ انسانی سے اپنی فکری؛ قولی یا عملی دوری اور "اسفل السافلین" والے گروہ انسانی سے اپنی فکری؛ قولی یا عملی قربت نہ صرف ہم پر واضح ہو جائے گی بلکہ شاید یہ مشق اس فکر آخرت کی بنیاد بھی بن سکے جو اس المحاسبۃ بالقرآن سے عین مطلوب ہے۔ گو اس حکمت عملی کے مخاطب اور محتاج کل امت یکساں ہے (یعنی علماء یا غیر علماء؛ عربی یا عجمی)؛ مگر اس محاسبہ کی صلاحیت اور اس سے استفادہ ہر انسان کی اپنی ذہنی سطح؛ علمی قابلیت؛ نیت کے اخلاص؛ باطنی مثبت اوصاف؛ وسعت معاملات اور جوابدہی کے خوف جیسے عناصر پر منحصر ہے۔ جیسے جیسے ان عناصر میں مثبت ترقی ہوتی رہتی ہے؛ ویسے ہی اس کی محاسبہ اور اس سے استفادہ کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے؛ جس کا منطقی نتیجہ اس کی محاسبہ کے جوہر یعنی فکر آخرت میں روز بروز اضافہ ہے۔

اس مضمون میں شامل "سورۃ الفاتحہ" کی آیات بینات کے بیان کا مقصد بھی صرف اس محاسبہ والی حکمت عملی کو ایک عملی شکل میں مثال کے طور پر پیش کرنا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس مضمون کا ہر قاری اس میں مزید بہتری اور اس کے نتیجہ میں مجھ سے کہیں زیادہ اس سے عملی طور پر مستفید ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
رَبِّ اَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ﴿١﴾ وَاَعُوذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّخْضَرُوْنِ

سورۃ الفاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الفاتحہ کی بنیادی حیثیت ایک دعا کی ہے جو میرے خالق و مالک نے اپنی رحمت کے اتمام کے لیے میری طرف وحی فرمائی کیونکہ نہ میں جانتا تھا کہ مانگنے کے آداب کیا ہیں؛ اور ظلم کے باعث نہ یہ ادراک رکھتا تھا کہ میرا اور میرے خالق میں تعلق کس نوعیت کا ہے اور نہ ہی جہالت کے باعث یہ ادراک رکھتا تھا کہ مانگنا کیا ہے۔ ایسی دعا کی قبولیت میں آخر کیا ٹنک ہو سکتا ہے جس کے کل مندرجات قبول کرنے والے کی جانب سے ہی ہوں اور پہلے سے ہی مقبول ہوں؛ اس کی مقبولیت میں مانع اور اس دعا کی دنیاوی تاثیر اور اخروی اجر سے محرومی محض میرے اپنے نفس کے ظلم اور اس کی جہالت کے سبب ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿٢﴾ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣﴾ مَا لَيْلٌ يُّوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤﴾

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے ¹۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا ²۔ جزا کے دن کا مالک ³۔

تین بنیادی عقائد جن کا ہر دے مانا گئے سے پہلے میرے ذہن نشین ہونا لازمی ہے۔ اس بنیادی ادب کے بغیر نہ تو میری کسی دعا میں کوئی تاثیر ہے اور نہ ہی کوئی اجر۔ جب تک مسئول کی دینے کی قدرت (رَبِّ الْعَالَمِيْنَ)؛ اس کے دینے کی وجہ (الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) اور اس کے دینے کے بعد احتساب کے نظریہ (مَا لَيْلٌ يُّوْمِ الدِّيْنِ) پر کامل یقین پیدا نہ ہو؛ تو نہ تو میری دعائیں خشوع و خضوع پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی مجھ سے اس کی عطا کی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال ممکن ہے۔

1 پہلا عقیدہ؛ جب کل نعمتیں اور ان میں موجود تمام بھلائیاں؛ خیر اور برکتیں واحد اللہ سبحان و تعالیٰ کے احسانات کے صدقے سے ہے اور اس کائنات میں تمام اسباب کا اس مسبب الاسباب کے تابع ہونے کے باعث؛ جب کل مخلوق اپنے کل معاملات میں صرف اسی کی محتاج ہے؛ تو یقیناً میری تمام فکری؛ قولی اور عملی تعریفوں اور شکر کا مستحق محض میرے پالنے والے یعنی "رَبِّ الْعَالَمِينَ" کا حق ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
عصر حاضر میں اسباب اور مسبب الاسباب میں سے کون میری فکری؛ قولی اور عملی تعریفوں اور شکر کا حقیقی منظور نظر ہے؟	کیا میں اپنی زندگی میں موجود اپنے رب کے احسانوں اور نعمتوں کا ادراک رکھتا ہوں؟
کیا میں دین میں مطلوب فکری؛ قولی اور عملی شکر کے طریقہ کا ادراک رکھتا ہوں؟	
احسن تقویہ (یعنی شکر گزار مومن) اور اسفل سافلین (یعنی ناشکرے کافر) کے پیمانہ پر	
میں اپنے رب کا کتنا حقیقی فکری؛ قولی اور عملی شکر گزار یا سپاس گزار ہوں؟	
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟	

2 دوسرا عقیدہ؛ اس کی تمام دینی و دنیاوی نعمتیں جو میرے اوپر اس دنیا میں سایہ فگن ہیں یا (خاتمہ بالا ایمان کی صورت میں) آخرت میں ہوں گئیں، جن کا میں کوئی استحقاق نہ اس دنیا میں رکھتا ہوں اور نہ آخرت میں ان کے مستحق ہونے کا دعویدار ہو سکتا ہوں؛ مگر یہ محض میرے خالق و مالک کی رحمانیت اور رحیمیت کا مظہر ہیں اور ہوں گئیں؛ اس عقیدہ پر میرا دل یقین اور میری دنیاوی و اخروی محتاجی اور بے کسی اس بات کی متقاضی ہے کہ میرا رویہ بھی ایسی "اَلْكَرْحَمٰنِ الرَّحِيْمِ" والی شخصیت کے ساتھ ہمیشہ سپاس گزار؛ عاجزانہ؛ احسان مندانه؛ نیاز مندانه اور فرماں بردانہ ہونا چاہیے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا میں اپنی دینی و دنیاوی نعمتوں کو اپنی کاوشوں اور دنیاوی اسباب کا نتیجہ تو قرار نہیں دیتا ہوں؟	
کیا ان دینی و دنیاوی نعمتوں کے حصول سے میری احسان مندی کے جذبہ اور فکری؛ قولی اور عملی شکر میں اضافہ کے ساتھ اللہ کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے کہ نہیں؟	

احسن تقویم (یعنی عاجز و اکسار مومن) اور اسفل سافلین (یعنی سرکش و باغی کافر) کے پیمانہ پر
میں اپنے رب کا کتنا حقیقی عاجز گزار ہوں؟
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟

³ تیسرا عقیدہ؛ استحقاق نہ ہونے کے باوجود ان تمام دینی و دنیاوی نعمتوں کی عطا کا مقصد؛ خالق و مالک کی مجھ سے کوئی خصوصی محبت یا نسبت کے سبب نہیں؛ بلکہ محض میرے امتحان کے باعث ہے اور "يُؤْمِرُ الدِّينِ" پر ان تمام دینی و دنیاوی نعمتوں کی جواب دہی میں کامیابی کے بعد ہی تمام اخروی نعمتوں کا حصول ممکن ہے؛ کیونکہ ان نعمتوں کا عطا کرنے والا "رَبِّ الْعَالَمِينَ" ہی ان تمام نعمتوں کا حساب کتاب لینے والا "مَالِكٌ يَوْمَ الدِّينِ" بھی ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا میں ان دینی و دنیاوی نعمتوں میں موجود خیر و شر کا ادراک رکھتا ہوں؟	کیا ان دینی و دنیاوی نعمتوں کے حصول سے مجھے اس دنیا کی آسائشیں اور راحتیں مطلوب ہیں؟
کیا میں ان دینی نعمتوں کا اپنے نفس پر مطلوبہ اثرات کا ادراک رکھتا ہوں؟	کیا ان دینی و دنیاوی نعمتوں کے استعمال سے مجھے اپنے خالق و مالک کی خالص رضامندی مطلوب ہے کہ نہیں؟
کیا ان مطلوبہ دنیاوی اثرات کی غیر موجودگی مجھے تشویش میں مبتلا کرتی ہے؟	
احسن تقویم (یعنی آخرت میں جواب دہی کے خوف والا مومن) اور اسفل سافلین (یعنی آخرت پر جری ہونے والا کافر) کے پیمانہ پر	
میں روز محشر ان نعمتوں کی جواب دہی سے کتنا خوفزدہ ہوں؟	
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟	

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٦٦﴾

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔⁴

⁴ اس آیت کا تعلق بھی عقیدہ سے ہے اور یہ عقیدہ ایک وعدہ کی صورت میں میرے اور "رَبِّ الْعَالَمِينَ" کے باہمی تعلق کو واضح کرتا ہے۔ اگر میں مندرجہ بالا تینوں عقائد کا سچے دل سے حامل ہوں تو یہ چوتھا عقیدہ تو انہی عقائد کی عملی شکل کا وعدہ ہے۔ ہر قسم کی طاغوت سے برات اور خالص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار تو میں کلمہ طیبہ کی شکل میں پہلے ہی کر چکا؛ اب تو اس عقیدہ کو راسخ کرنا لازمی ہے کہ میری کل زندگی میں "رَبِّ الْعَالَمِينَ" کی عطا کی ہوئی تمام کبھی وہی نعمتوں کا مقصد؛ محض وقتی عبادت نہیں بلکہ کل وقتی عبادت کی شکل میں اس کی خوشنودی کی طلب ہے اور یہ کہ جہاں وہی نعمتیں تو خالصاً اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خصوصی عنایت ہیں؛ وہیں کبھی نعمتوں کا میسر ہونا بھی اس کی مدد اور کرم کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

تو جہاں میری زندگی میں؛ کل نعمتوں کے ذریعے؛ اللہ کی عبادت کے سوا؛ کسی اور مطلوب کا حصول میرے اپنے نفس پر انتہائی ظلم ہے؛ وہیں کسی دینی و دنیاوی نعمتوں کے حصول کے لیے غیر اللہ سے؛ کسی بھی شکل میں اسباب سے ماورا سمجھتے ہوئے؛ مدد کی امید کرنا یا غیر شرعی طرائق کا اختیار کرنا بھی متوازی ظلم ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا میں کل وقتی عبادت اور جز وقتی عبادت میں فرق کا ادراک رکھتا ہوں؟	کیا میری زندگی کا مطلوب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی غیر مشروط کل وقتی عبادت ہے یا نفس کے تابع جز وقتی عبادت؟
کیا میں اپنی زندگی میں موجود جز وقتی عبادت پر مطمئن ہوں؟	کیا میری زندگی میں غیر اللہ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کا حصول اہمیت رکھتا ہے؟
کیا میں کبھی نعمتوں کے حصول میں اپنے آپ کو دین کی مقرر کردہ حدود و قیود سے آزاد سمجھتا ہوں؟	کیا واقعی میرے نزدیک کبھی وہی نعمتوں کے حصول میں تمام امیدوں کا واحد مرکز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ہے؟
احسن تقویٰ (یعنی عابد و متوکل مومن) اور اسفل سافلین (یعنی مشرک و بے مہر کافر) کے پیمانہ پر	
میری موجودہ طرز زندگی کتنی "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کی گواہ ہے؟	
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی	

اسی مناسبت سے کر سکوں؟

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٥﴾

ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔⁵

یہ دعائیہ کلمات ہیں؛ اور ہر دعا پکارنے والے کا ایک قوی عمل ہی تو ہوتی ہے؛ جس کے باعث میرے نزدیک یہ عمل کی آیت ہے۔ ہدایت؛ ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت اور یقیناً میری سب سے بڑی دنیاوی ضرورت۔ اور میں یہ بھی معرفت رکھتا ہوں کہ؛ یقیناً "رَبِّ الْعَالَمِينَ" کے سوا کوئی "اللہ" نہیں جو اس نعمت کو عطا کرنے پر قادر ہو؛ اور یقیناً اس نعمت کا عطا کیا جانا خالصاً "اَلْكَرْحَمَنِ الرَّحِيْمِ" کا احسان عظیم ہوگا؛ میرا کوئی ذاتی استحقاق نہیں؛ اور یقیناً "مَالِكٌ يَوْمَ الدِّينِ" اس نعمت کے عطا کرنے کے بعد اس کے استعمال کے متعلق میرا مواخذہ بھی فرمائے گا۔ اور میں اس بات کا بھی ادراک رکھتا ہوں کہ تادم مرگ اس نعمت کی عطامیں تسلسل کی بنیاد میرے عہد "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ" کی پاسداری پر ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا واقعی میں اس ہدایت کی نعمت کی طلب میں	کیا میں دین کو اپنی موجودہ طرز زندگی پر ترجیح دینے کا مضبوط باطنی ارادہ رکھتا ہوں؟
کیا میں اس ہدایت کے نتیجے میں ممکنہ آزمائشوں کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوں؟	
احسن تقویٰ (یعنی صادق مومن) اور اسفل سافلین (یعنی منافق کافر) کے پیکانہ پر	
میری موجودہ طرز زندگی کتنی عملی منافقت (یعنی قول و فعل میں تضاد) سے پاک ہے؟	
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی	
اسی مناسبت سے کر سکوں؟	

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٦﴾

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا⁶ نہ کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ وہ جو گمراہ ہوئے۔⁷

یہ دعائیہ کلمات اوپر والی دعا کا تکملہ اور اس ہدایت کے مندرجات ہیں؛ جس کے طلب کے لیے میں اللہ سے دین میں کم از کم سترہ بار قوی طور پر دعا گیر ہوتا ہوں۔ کسی بھی مطلوب کے حصول کے لیے لازم ہے کہ

انسان کا باطنی ارادہ مضبوط اور ظاہری اسباب کے حصول کی عملی کوشش میں کوشاں ہو۔ اور ظاہری اسباب میں اولین حیثیت دعا کی ہی ہے؛ اس کے بعد بنی اس مطلوب کے حصول کا علم اور پھر اس علم کے موافق عمل کی باری آتی ہے۔ تو ہدایت کی نعت کے حصول کے لیے؛ میرا جتنا باطنی ارادہ مضبوط ہوگا؛ اتنا ہی میں اپنی دعا میں مخلص؛ علم کے حصول میں صادق؛ اور میرا عمل حاصل کردہ علم کے تابع اور نفاق سے پاک ہوگا۔

مطلوب دینی ہو دنیاوی اس کے حصول کے تین ہی ممکنہ راستے ہیں؛ اول حق پر مبنی؛ دوم ظلم پر مبنی اور سوم جہالت پر مبنی۔ جب قرآن حکیم اور انسان کے باطنی ارادہ؛ دعا؛ علم اور عمل میں ہم آہنگی ہو تو یہ راستہ حق پر مبنی ہوتا ہے اور اگر قرآن حکیم اور انسان کے باطنی ارادہ؛ دعا؛ علم یا عمل میں اراد تا کج راہی ہو تو یہ راستہ ظلم پر مبنی ہوتا ہے مگر اگر قرآن حکیم اور انسان کے باطنی ارادہ؛ دعا؛ علم یا عمل میں بے علمی کے باعث کج راہی ہو تو یہ راستہ جہالت پر مبنی ہوتا ہے۔ جاہل گمراہ (الضَّالِّیْنَ) کی نسبت ظالم گمراہ (الْمُضْطُّوِبِ عَلَیْہِمْ) پر شدید عتاب اس لیے زیادہ برحق ہے کہ ظالم کی اللہ تعالیٰ سے بغاوت اختیاری سرکش ہے۔

محاسبہ طلب بات یہ ہے کہ	
کیا میں کسی بھی دینی و دنیاوی عمل سے پہلے اپنی جہالت کے سدّ باب کی کوشش کرتا ہوں؟	کیا میں انعام یافتہ لوگوں میں شمولیت کے لیے مطلوبہ علم (خصوصاً فکری مشابہت) کے حصول کی سعی میں مشغول ہوں؟
کیا میرے حاصل کردہ علم اور عمل میں موافقت ہے یا میرا شمار ظالموں میں ہو سکتا ہے؟	کیا میں عصر حاضر میں دینی اعتبار سے انعام یافتہ لوگوں؛ ظالموں اور جاہل گمراہوں کی پہچان کی صلاحیت رکھتا ہوں؟
کیا میں دین کی خاطر عصر حاضر میں دینی اعتبار سے انعام یافتہ لوگوں کی پیروی کی عملی نیت رکھتا ہوں؟	کیا میں دنیا کی خاطر عصر حاضر میں ظلم یا جہالت کی بنیاد پر قائم حکومتوں اور معاشروں کا مطیع رہنے پر مطمئن ہوں؟
احسن تقویٰ (یعنی ہدایت یافتہ مومن) اور اسفل سافلین (یعنی ضال و مضل کافر) کے پیمانہ پر	
میں کتنا ظالموں اور جاہل گمراہوں سے دلی انس اور ان کی قوی و عملی مشابہت سے آزاد ہوں؟	
میری فطرت "احسن" یا "اسفل" کس انتہا سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے تاکہ آخرت کی امید بھی اسی مناسبت سے کر سکوں؟	

اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ میرے افکار، اقوال اور اعمال کو اس محاسبہ کی روشنی میں سورۃ الفاتحہ کے میزان سے حقیقی مشابہت نصیب ہو جائے؛ کیونکہ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر یہ مشابہت نصیب ہو گئی تو یہ سورۃ اپنی برکت سے نہ صرف باقی قرآن پر تدبر اور عمل کو میرے لیے آسان فرمادے گی بلکہ وہ حفاظتی حصار بھی مہیا کر دے گی جو میری دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے۔

قرآن سے محاسبہ کی صورت میں استفادہ کے دوران؛ شیطان؛ مجھے عمومی طور پر دو شیطانی وسوسوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے؛

- کیا میرے لیے عصر حاضر میں؛ اپنے عائلی؛ معاشرتی؛ ملکی اور عالمی دباؤ کے ماتحت؛ قرآن کے مطلوبہ نتائج کا حصول ممکن ہے؟۔
- اور میں جانتا ہوں کہ "لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا" [سورۃ البقرہ؛ ۲۸۶] خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا" تو اگر میں ان مطلوبہ نتائج کے عملی حصول کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر کیا کروں؟۔

ان دونوں وسوسوں سے نبرد آزما ہونے کا تعلق میرے ارادہ کی مضبوطی اور دعائیں اخلاص کے ساتھ ہے؛ کیونکہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ مطلوبہ نتائج کے حصول کے امکانات کو؛ بغیر کسی عملی کوشش کے؛ بنانے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے؛ خصوصاً جبکہ "احسن تقویم" والے گروہ سے فکری؛ قولی اور عملی مشابہت کا علم ہر دور میں موجود بھی ہو اور اس کا حاصل کرنا عین ممکن بھی ہو؛ یہ علم کے حصول کی کوشش ہی میرے عمل کا پہلا جزو ہے۔

عمل کے دوسرے جزو کا اطلاق؛ اس حاصل کردہ علم پر عمل سے ہے؛ اور اس جزو میں کم از کم انفرادی سطح پر اللہ کی معصیت اور اس کے احکامات کی تکمیل میں اختیاری کوتاہیوں سے اپنی حفاظت نہ کر سکنے کے بارے میں تو یہ وسواس محض میری نفس پرستی کا نتیجہ ہیں؛ اور باہمی اور اجتماعی سطح پر عمل میں میری کوتاہیاں گو "لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا" کے تابع تو ہیں؛ مگر حقیقی حالت اکراہ میں بھی؛ اس سطح پر میرے حاصل کردہ علم کو؛ میرے نفس کو؛ ان جبری کوتاہیوں کے مزین کرنے اور ان سے بلا ضرورت مستفید ہونے کی جسارت پر رونق دہانے والا ہونے کے ساتھ؛ مجھے آخرت کی جوابدہی سے مزید خوفزدہ اور حالات میں بہتری کی جستجو میں کوشاں رکھنے والا ہونا چاہیے۔

شاید یہ فکر آخرت اور "اسفل سافلین" کے قول اور عمل سے فکری کراہت ہی
میزان پر میری ان کوتاہیوں کے وزن میں کچھ کمی کا باعث بن سکے۔

اَللّٰهُمَّ اِنْسَ وَخَشِيَ فِي قَبْرِى اَللّٰهُمَّ اَرْحَمَى بِالْقَضَائِبِ الْعَظِيْمَةِ وَاجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَنُوْرًا وَهُدًى وَ
رَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَ عَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَ اَرْزُقْنِيْ تِلْكَ وَتَةِ اَنَاءِ الْيَلِّ وَ اَنَاءِ النَّهَارِ وَ
اجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اٰمِيْنَ

لا اله الا الله؛ لا اله الا الله؛ لا اله الا الله محمد رسول الله
اللهم صل على سيدنا محمد و على آله و صحابه و بارك و سلم تسليماً كثيراً

Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library